پروفیسر سعید احمد رفیق

ابنِ رشد

حالاتِ زندگی

ابن رشد کا نام ابوالولید محمدؒ بن احمد بن محمدؒ بن رشد تھا۔ لیکن تاریخ عالم میں یہ صرف ابن رشد کے نام سے مشہور ہیں۔ یورپ والوں نے اس نام کو بگاڑ کر AVERROES ـ AVEROYS ـ ABENRUTH ـ AVEN ROIS وغیرہ کر دیا۔ ابن رشد ہسپانیہ کے سب سے بڑے مفکر اور حکیم تھے۔ مشرق میں جو درجہ ابن سینا کا ہے مغرب میں وہی رتبہ ابن رشد کو حاصل ہے۔ ابن رشد ۵۲۰ھ (۱۱۲۶ء) میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا اندلس کے قاضی القضاۃ تھے اور والد قرطبہ کے قاضی۔ ابن رشد نے اپنا بچپن علم و حکمت کے مرکز قرطبہ میں گزارا۔ اور یہیں طب اور قانون کی تعلیم حاصل کی۔ شروع میں انہیں بھی اپنے دادا اور والد کی طرح قانون میں زیادہ دلچسپی تھی۔ لیکن ان کا ذوق انہیں آہستہ آہستہ فلسفہ اور طب کی طرف لے گیا۔ اور یہی علوم ان کی شہرت کا باعث بنے۔ ابن زہر۔ ابن ماجہ۔ ابن طفیل اور ابن عربی ان کے ہم عصر تھے۔ ابن طفیل سے ان کے تعلقات نہایت گہرے تھے اور ابن طفیل نے ہی انہیں الموحد خاندان کے فرمانروا ابویعقوب یوسف کے دربار میں پیش کیا۔ اس کے متعلق ابن رشد رقمطراز ہیں "جب میں امیر المومنین کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت صرف ابن طفیل وہاں موجود تھے۔ انہوں نے میری کافی تعریف کی۔ ۔ ۔ ۔ امیر المومنین نے مجھ سے والد صاحب۔ میرے خاندان اور میرے متعلق باتیں کر کے اس سوال سے گفتگو شروع کی 'فلک کے متعلق مفکرین کے کیا نظریات ہیں۔ یہ قدیم ہے یا حادث؟' میں گھبرا سا گیا اور کچھ خاموش ہو گیا۔ امیر المومنین نے خود اس مسئلہ پر نہایت عالمانہ گفتگو کی۔ اور اس طریقہ سے جس کی ایک فرمانروا سے امید نہیں کی جا سکتی" بہرحال ابویعقوب یوسف ان کی قابلیت سے متاثر ہوا اور انہیں انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

اس کے بعد ابن طفیل نے انہیں ارسطو کی تصانیف پر شرح لکھنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ ابو

یعقوب یوسف کے خیال میں ارسطو کی تصانیف کے ترجمے اور شرحیں ناقص تھیں اور اس بات کی ضرورت تھی کہ ان پر باقاعدہ شرحیں لکھی جائیں اور ارسطو کے خیالات کو واضح، صاف اور آسان الفاظ میں پیش کیا جائے۔ ابن رشد نے اس کے بعد سے ارسطو کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور اس کی تصانیف پر شرحیں رقم کیں۔ ۱۱۶۹ء میں وہ اشبیلیہ کے قاضی مقرر کئے گئے اور اس کے کچھ عرصہ بعد قرطبہ کے۔ لیکن ابن طفیل نے اپنے ضعیف ہو جانے کے بعد ابن رشد کو مراکش میں اپنی جگہ طبیب خاص مقرر کرا دیا۔ ۱۱۸۲ء میں انہیں قرطبہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا گیا۔

یوسف کے مرنے کے بعد یعقوب المنصور ۱۱۸۴ء میں فرمانروا ہوا۔ منصور کے عہد کے شروع میں ان کی وہی عزت و منزلت رہی جو انہیں یوسف کے عہد میں حاصل تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد قدامت پسند ملاؤں نے ان پر الحاد اور یہودیت کا الزام لگایا۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور انہیں جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ ۱۱۹۵ء میں امیر نے طب، ہندسہ اور ہیئت کی کتابوں کے سوا فلسفیوں کی تمام تصانیف کو نذرِ آتش کر دینے کا حکم دیا۔ بہرحال خوش قسمتی سے یہ حکم واپس لے لیا گیا ورنہ علم و ادب کو جس قدر زبردست نقصان ہوتا اس کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں۔ اس کے بعد جب یعقوب ہسپانیہ کی عیسائی حکومت کو شکست دے کر مراکش واپس آیا اور حالات کچھ سازگار ہو گئے تو اس نے ابن رشد کو دوبارہ اپنے دربار میں واپس بلا لیا۔ لیکن اب وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہے اور انہوں نے مراکش میں ۹ر صفر ۵۹۵ھ (۱۱ر دسمبر ۱۱۹۸ء) کو وفات پائی۔

تصانیف

بدقسمتی سے ابن رشد کی تصانیف کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا ہے تاہم ان کی جو تصانیف باقی ہیں وہ بھی انہیں لافانی شہرت دینے اور مفکرین عالم کی صفِ اول میں ان کا مقام متعین کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ تصانیف خاص کر فلسفہ۔ طب۔ قانون اور ہیئت پر ہیں:

۱۔ مبادی الفلسفہ۔ یہ بارہ حصوں میں ہے۔ اس کے علاوہ فلسفہ کے مختلف موضوعات پر انہوں نے تقریباً پچیس تصانیف پیش کیں۔

۲۔ تہافتہ التہافہ۔ امام غزالی کی مشہور کتاب 'تہافتہ الفلاسفہ' کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ابن رشد نے فلسفہ کی زبردست حمایت کی ہے۔

۳۔ کتاب فصل المقال۔ یہ فلسفہ و مذہب پر ہے۔

۴۔ کتاب کشف المناہج۔ فلسفہ اور مذہب پر۔
۵۔ الکلیات فی الطب۔
۶۔ ہدایت المجتہد و نہایت المقتصد۔ قانون و فقہ پر۔
۷۔ ہیئت پر بعض تصانیف۔

ان کے علاوہ انہوں نے ارسطو۔ افلاطون اور ابن سینا کی بعض کتابوں کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔ جن کی وقعت کسی طرح اصل تصانیف سے کم نہیں۔ عہد وسطیٰ کے یورپ میں انہیں ارسطو کی تصانیف کا سب سے اعلیٰ شارح سمجھا جاتا تھا۔ منک کے خیال میں "وہ ارسطو کی تصانیف کے بہترین شارحین میں سے ایک ہیں۔"

افکار و نظریات

ابن رشد کے نظریات اور خیالات کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) انسان کے مختلف درجات (۲) آیاتِ قرآنی کا مفہوم (۳) مقصدِ حیات (۴) نفسیات (۵) کائنات کا ابدی ہونا (۶) آزادی ارادہ (۷) معاشرہ میں عورت کا درجہ (۸) سیاسی نظریات

انسان کے مختلف درجات

ابن رشد کے خیال میں علم۔ عقل اور فہم کے لحاظ سے تمام انسان برابر نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل: اعلیٰ ترین انسان۔ جن کی زندگی اور مذہبی عقائد کی بنیاد برہان ہے۔ صداقت تک پہنچنے کے لیے انہیں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ بلا واسطہ صداقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ دوم: وہ جو برہان اور وجدان کی منزل تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ بہر حال ان میں سوچنے سمجھنے اور حسن و قبح کا موازنہ کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ اور سوم: عوام۔ جو ان دونوں صلاحیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کے لیے عام مذہبی عقائد اور قرآن کریم کے لفظی معنوں تک محدود رہنا مناسب ہے۔ طبقۂ اول کے لیے لفظی معنی کافی نہیں بلکہ انہیں ان مفاہیم تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جو الفاظ کے پس پردہ موجود ہیں۔

آیاتِ قرآنی کا مفہوم

ابن رشد اپنے ہم عصر ابن ماجہ اور ابن طفیل کے اس خیال سے متفق ہیں کہ مذہب صداقت کا ضامن ہے۔ لیکن مذہب کا مقصد انسان کی عملی رہنمائی ہے۔ اس لیے اس میں عوام کی رہنمائی

کے لیے اصولوں اور قوانین کو مثالوں اور تشبیہوں کے ذریعہ اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ عوام انہیں آسانی سے سمجھ سکیں۔ عوام کو قرآن کریم کے صرف لفظی معنے بتانے چاہئیں۔ کیونکہ وہ ان کے لیے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ نہ ضرورت ہے اور نہ مناسب۔ لفظی معنوں کے پس پشت اور بین السطور ایک اور بھی مفہوم ہوتا ہے۔ عوام میں اس تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یہ مفہوم صرف خواص کے لیے ہوتا ہے اور یہی وہ صداقت ہے جس کا ضامن فلسفہ ہے۔ مذہب اور فلسفہ میں کوئی تضاد نہیں۔ بنیادی اور اصولی طور پر دونوں ایک ہیں۔ جو کچھ فرق ہے وہ صرف اظہار خیال میں۔ عوام کے لیے ایک اظہار مناسب ہے اور خواص کے لیے دوسرا۔ مذہب اور وحی اس لیے ضروری ہیں کہ وہ اشخاص جو استدلال اور برہان کے ذریعہ صداقت اور حقیقت تک نہ پہنچ سکیں، وحی ان کو صداقت سے روشناس کرادے۔ مذہبی رہنماؤں کو عوام کی رہنمائی کے لیے مذہبی اصولوں کو اس طرح پیش کرنا چاہیئے کہ وہ ان کے لیے قابل فہم اور قابل عمل ہوسکیں۔ خواص کو غور و فکر اور برہان کے ذریعہ صداقت کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور یہ صرف فلسفہ کے ذریعے ممکن ہے۔ بالفاظِ دیگر صداقت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک عملی اور دوسری استدلالی عملی صداقت عوام کے عمل کے لیے ہوتی ہے اور استدلالی صداقت خواص کے غور و فکر کے واسطے۔ اسی بنا پر مذہب نے اخلاقی اصول اور ضوابط پر عمل کرنے کے لیے سزا و جزا سے کام لیا ہے تاکہ عوام الناس کے لالچ اور سزا کے خوف سے اخلاقی اصولوں پر عمل پیرا ہوسکیں۔ جہاں تک اخلاق کے صحیح مفہوم کا تعلق ہے اس کا دارومدار عقل پر ہے۔ حقیقی طور پر صرف وہ عمل معیار اخلاق پر پورا اترتا ہے جو عقل کے مطابق ہو اور جس میں سزا و جزا کا کوئی دخل نہ ہو۔ لیکن عوام کے لیے اس معیار تک پہنچنا محال ہے۔ اس لیے ان کے واسطے جزا و سزا کے اصول پیش کیے گئے ہیں۔

مقصدِ حیات

ابن رشد کے خیال میں انسان کی زندگی کا مقصد درجۂ کمال تک پہنچنا ہے۔ یعنی عقل فعال میں اپنے آپ کو سمو دینا۔ اس درجہ تک پہنچنے کے لیے ایک طرف نفس کی ادنیٰ صلاحیتوں خاص کر حواس کو زیر کرنا ضروری ہے اور دوسری طرف غور و فکر کی صلاحیت پیدا کرنا۔ لیکن صرف لاحاصل غور و فکر نہیں۔ بلکہ استدلالی طور پر صحیح غور و فکر جو انسان کو اس اعلیٰ منزل تک لے جاسکے۔ ہر انسان کے لیے اس منزل تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ یہ منزل عوام کے لیے نہیں بلکہ صرف خواص کے لیے ہے۔

JAMIA

اور اس کا حصول صرف فلسفہ کے ذریعہ ممکن ہے۔

نفسیات

ابن رشد اپنے نفسیاتی نظریہ میں ارسطو، فارابی اور ابن سینا سے کافی متاثر ہیں۔ وہ کہیں کہیں ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں لیکن نسبتاً کم۔ ارسطو عقل فعال اور عقل انفعال میں اس طرح فرق کرتا ہے کہ عقلِ انفعال جسم انسانی کے ساتھ شروع ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ اور عقلِ فعال روحِ کل کے مظہر کے طور پر روحِ انسانی پر عمل پیرا ہوتی ہے۔ فارابی کے خیال میں اس کی چار قسمیں ہیں :

(۱) عقل ہیولانی۔ یعنی انسانی صلاحیت (۲) عقل بالفعل۔ عقل ہیولانی جب بالقوۃ سے بالفعل میں تبدیل ہو جاتی ہے تو عقل بالفعل کہلاتی ہے (۳) عقل فعال۔ وہ خارجی قوت جس کا منبع خدا ہے اور جو عقل کو بالقوۃ سے بالفعل میں تبدیل کر دیتی ہے (۴) عقل مستفاد۔ جو صرف فعالی حالت ہی میں نہیں آتی۔ بلکہ عقل کی رہبری میں ترقی بھی کرتی ہے۔ ابن رشد عقل ہیولانی اور عقل بالفعل میں فرق نہیں کرتے۔ اول الذکر بالقوۃ ہے اور موخر الذکر بالفعل۔ ان کے لحاظ سے عقل ہیولانی، عقلِ فعال کے جز کے طور پر جسم انسانی میں نفوذ حاصل کر لیتی ہے۔ عقل فعال ابدی۔ ازلی۔ واحد اور کل ہے۔ اور عقل ہیولانی، انفرادی۔ انفرادی موت کے بعد یہ جز اپنے کل میں مدغم ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح انفرادی طور پر روحِ انسانی فنا ہو جاتی ہے۔ ابن رشد فرد کی روح کی بقا کے قائل نہیں۔ روحِ انسانی عقلِ فعال کے طور پر باقی رہتی ہے نہ کہ انفرادی طور پر۔

کائنات کی ابدیت

ابن رشد، ارسطو کے اس نظریہ سے متفق ہیں کہ کائنات ابدی ہے۔ ان کے خیال میں روح اور مادّہ دونوں ابدی ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ممکن نہیں اور یہ دونوں عام معنوں میں تخلیق نہیں۔ مادّہ میں متشکل ہونے کی قوت ابدی طور پر موجود ہے۔ تخلیق کا مطلب قوت کو فعل میں تبدیل کرنا ہے۔ اور خدا صرف ان معنوں میں کائنات کی تخلیق کا علت العلل ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ اسی سے چشمۂ وجود جاری ہے۔ وجود اس میں ہے اور چونکہ وہ ابدی ہے اس لیے کائنات بھی ابدی اور قدیم ہے۔ مادّہ ایک قوت ہے اور اس میں متشکل ہونے کی صلاحیت ہے۔ یہ صلاحیت اس میں خارجی طور پر نہیں آتی۔ ابدی طور پر موجود ہے اور اس طرح وہ خود ایک خاص شکل اختیار کر سکتا

ہے اور کر لیتا ہے۔ بالقوۃ سے بالفعل بن جاتا ہے۔ اور اس عمل میں اُس پر خارجی طور سے نہ کوئی عمل ہوتا ہے نہ کوئی خارجی قوت عمل کرتی ہے اور نہ اس میں کسی صفت اور چیز کا اضافہ ہوتا ہے۔ ہر چیز اور تمام صفات ابدی طور پر مادّہ میں موجود ہوتی ہیں، اور وہ لازمی طور پر بالفعل بن جاتی ہیں۔ کائنات کی تخلیق اس عمل کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ خدا اس کائنات کا صرف علتِ اولی نہیں۔ علت العلل ہے۔ نظامِ کائنات قانونِ قدرت کے ماتحت ہے۔ اور اس قانون میں رد و بدل ممکن نہیں

آزادیٔ ارادہ

جبر و قدر کے مسئلہ پر وہ اعتدال پسندانہ رویہ کے قائل تھے۔ نہ وہ انسان کو اپنے ارادہ اور فعل میں آزاد مطلق خیال کرتے تھے اور نہ مجبورِ محض۔ اس سلسلہ میں ان کا نظریہ "الامر بین الامرین" کا تھا۔ انسان آزاد بھی ہے اور مجبور بھی۔ ہمارے افعال جزوی طور پر ہمارے ارادے سے متعین ہوتے ہیں، اور کچھ حد تک خارجی اسباب سے۔ صرف ایک مخصوص طریقۂ عمل کے لحاظ سے ہمارے ارادے اور افعال آزاد ہیں۔ ہمارے افعال کافی حد تک ہمارے ارادے کے ماتحت ہیں لیکن ہمارا ارادہ قانونِ قدرت کے۔ ارادہ اور فعل دونوں میں قانونِ قدرت کارفرما ہے۔ غرض ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ ابن رشد "امر بین الامرین" کے قائل ہیں۔ لیکن ارادہ اور عمل دونوں میں وہ قانونِ قدرت کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ آزادیٔ ارادہ اور آزادی عمل ہر دو کو وہ قانونِ قدرت سے محدود کر دیتے ہیں۔ اور انسان کو نہ پوری طرح آزادیٔ ارادہ کا حامل قرار دیتے ہیں اور نہ آزادیٔ عمل کا۔

معاشرہ میں عورت کا درجہ

معاشرتی نظریات میں بھی ابن رشد اپنے فلسفیانہ اور نفسیاتی نظریات کی طرح کافی انتہا پسند تھے۔ معاشرتی نظریات میں عورت کے حقوق کے متعلق ان کا نظریہ غالباً سب سے زیادہ انتہا پسندانہ تھا۔ ان کے خیال میں مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کے بالکل مساوی ہیں۔ ان میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں اس لیے ہر دو کو زندگی کے ہر ہر شعبہ میں برابر درجہ ملنا چاہیئے۔ اور فلسفہ۔ علوم۔ ادب۔ فنِ ورجنگ میں کوئی دروازہ بھی عورت پر بند نہ ہونا چاہیئے۔ مرد اور عورت کا اختلاف کیفیت کا نہیں صرف درجہ کا ہے۔ اور درجہ میں عورت بعض مرتبہ مرد سے بڑھ جاتی ہے۔ افریقہ کی مختلف ریاستوں کی بعض خواتین نے جنگ میں مردوں پر اپنی برتری اور فوقیت ثابت

کردی ہے۔ اور اگر وہ حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر بھی فائز ہو جائیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہ ہو گی۔" وہ اپنا نظریہ ثابت کرنے کے لیے عرب اور یونان کی عورتوں کی بھی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جو نہ صرف موسیقی وغیرہ میں بلکہ میدانِ جنگ میں بھی اپنی برتری اور فوقیت ثابت کرتی رہتی ہیں۔ ان کے خیال میں اگر مرد اور عورت کو برابر مواقع دئے جائیں۔ یکساں تعلیم دی جاتے۔ ہم رتبہ سمجھا جائے۔ معاشرہ میں دونوں کی برابر عزت و وقعت ہو۔ کسی کو کسی سے کم یا زیادہ نہ سمجھا جائے۔ تو وہ اپنے آپ کو مرد کے مساوی ثابت کر سکتی ہیں۔ ان کی کمتری کی اصل وجہ ان کا گھر میں مقید رہنا۔ تعلیم حاصل نہ کرنا اور معاشرہ میں ان کی وقعت نہ ہونا ہے۔ سلوک تو ان سے جانوروں جیسا کیا جاتا ہے اور الزام یہ دیا جاتا ہے کہ وہ مردوں کے برابر نہیں، صلاحیت اور قابلیت میں وہ مرد سے کم تر ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ حقیقتاً مرد اور عورت صلاحیت میں برابر ہیں۔ اور موجودہ حالات میں جو کچھ فرق ہے، اس کی ذمہ داری مرد کی خود غرضی پر ہے نہ کہ عورت کی کمتر صلاحیت پر۔

سیاسی نظریات

سیاسی نظریہ کے لحاظ سے بھی ابن رشد آزاد خیال تھے۔ وہ خلافت راشدہ کو حکومت کا بہترین نمونہ سمجھتے تھے۔ اور افلاطون کی "ریاست" کے خواب کی حقیقی تعبیر۔ ان کے خیال میں حضرت معاویہ نے اموی شہنشاہیت کی بنیاد ڈال کر اس اعلیٰ جمہوریت کو ختم کر دیا۔ اور اس طرح مسلمانوں میں بہت سی خرابیوں اور فتنہ و فساد کی راہیں کھول دیں۔ وہ عوام کے حقوق پر کافی زور دیتے تھے اور اس لحاظ سے انہوں نے انگریزی مفکر لاک اور فرانسیسی مفکر روسو سے بہت پہلے عوام کے سیاسی حقوق کی حفاظت کی آواز بلند کی۔ ابن رشد ہر قسم کے جبر و استبداد کے خلاف تھے۔ ان کے لحاظ سے جابر سے مراد ایک ایسا حکمران ہے جو امورِ سلطنت میں عوام کے مفاد کا خیال نہ رکھے بلکہ اپنے ذاتی یا جماعتی اغراض کے پیش نظر حکومت کا کام سرانجام دے۔

علامہ اقبال کی تنقید

علامہ اقبال ابن رشد کے نظریات پر تنقید کرتے ہوئے خطبہ اول میں فرماتے ہیں "ابن رشد جس نے یونانی فلسفہ کی زبردست حمایت کی ارسطو کے زیر اثر وہ نظریہ پیش کیا جسے عقلِ فعال کی لافانیت کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جو فرانس اور اطالیہ کے ذہن پر زبردست طریقے سے اثر انداز ہوا۔ لیکن میرے

خیال میں یہ نظریہ اس نقطۂ نگاہ کے بالکل خلاف ہے جو قرآن کریم انسانی انا کی وقعت و منزلت کے متعلق پیش کرتا ہے۔ اس طرح ابن رشد کی آنکھوں سے اسلام کا ایک زبردست اور نہایت اہم اصول اوجھل ہو گیا۔ اور اس کی وجہ سے اس نے ایک ایسے غلط فلسفۂ حیات کو فروغ دینے کی کوشش کی جس کے زیر اثر انسان نہ خود کو پہچان سکتا ہے نہ خدا کو اور نہ کائنات کو۔" اپنے چوتھے خطبے میں فرماتے ہیں "تاریخ فلسفۂ اسلام میں ابن رشد نے بقائے روح کے مسئلہ پر خالصاً مابعد الطبیعیاتی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔ اور میرے خیال میں بغیر کسی خاص فائدے کے۔ اس نے حس اور عقل میں حد فاصل قائم کی ہے اور اس کی بنیاد قرآن کریم میں غالباً 'نفس' اور 'روح' کے الفاظ پر رکھی ہے۔ ان الفاظ نے مسلم مفکرین میں سے اکثر کو غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے۔ کیونکہ ظاہراً طور پر ان الفاظ سے انسان میں دو مختلف اصولوں کا تضاد معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال اگر ابن رشد کا یہ نظریہ اس کے خیال میں قرآن کریم پر مبنی ہے تو غالباً وہ غلط ہے...... ابن رشد کے لحاظ سے عقل جسم کا حصہ نہیں ہے۔ اس کی نوعیت مختلف ہے۔ اور یہ شخصیت میں نفوذ کرتی ہے۔ اس لیے یہ واحد، کل اور ابدی حقیقت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ عقل کل شخصیت میں نفوذ کرتی ہے اس لیے نفوس انسانی میں اس کا وجود صرف فریب نظر ہے۔ عقل کی ابدی وحدت کا مطلب (جیسا کہ رینان کا خیال ہے) انسانیت اور تہذیب کی بقا تو ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب انفرادی بقا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" ڈاکٹر اقبال کو ادلیری کی طرح ابن رشد کے نظریات پر یہ دو اعتراضات ہیں۔ اول یہ کہ ابن رشد کے لحاظ سے انسانی انا کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اگر انفرادی انا، انائے مطلق کا صرف ایک جزو ہے تو نہ اس کا فی الحقیقت کوئی وجود باقی رہتا ہے اور نہ اس کی قدر و منزلت۔ دوسرے یہ کہ ابن رشد کے نظریئے کی رو سے انفرادی روح انسانی کی بقا کی نفی ہوتی ہے۔ روح کل کی بقا مسلّم ہے لیکن یہ انسانی بقا کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

ابن رشد کی مخالفت

ابن رشد اپنے خیالات میں آزاد اور ان کے اظہار میں بے باک تھے۔ اس آزادی اور بے باکی کی انہیں اپنی زندگی میں اور اس کے بعد بھی خاصی قیمت دینی پڑی۔ ان پر الحاد اور کفر کے فتوے لگائے گئے تنگ نظر ملاؤں نے ان کی مخالفت کی۔ ان پر بے دینی کی بنا پر مقدمہ چلایا گیا۔ یعقوب المنصور نے انہیں جلا وطن کیا۔ ان کی تصانیف نذر آتش تک کی گئیں۔ ان کا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ یورپ میں بعض مقامات پر عیسائی پادریوں نے بھی ان کی تصانیف کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ لیکن اس تمام مخالفت کے

باوجود ابن رشد نے اپنے علم و کمال کی بنا پر عالمگیر شہرت حاصل کی۔ ان کی تصانیف کے ترجمے اکثر علمی زبانوں میں ہوئے۔ یورپ کے ذہن پر انہوں نے تقریباً چار سو سال تک حکومت کی اور کافی عرصہ تک فلسفہ، منطق، طب، قانون اور ہیئت میں انہیں وہ حیثیت حاصل رہی جو اور کسی مسلم مفکر کو حاصل نہ ہو سکی۔

ابن رشد پر الحاد کا الزام لگانا بالکل غلط ہے۔ وہ ایک مسلمان تھے ایسے مسلمان جو مذہب کو عقل کے مطابق سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں مذہب اور فلسفہ نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ عین مطابق ہیں۔ اور جہاں اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ وہاں ہماری سمجھ کا قصور ہے نہ کہ مذہب کا۔ عبد الکبیر کے خیال میں وہ اس بات کے متمنی تھے کہ مذہب اور فلسفہ کو ایک دوسرے کے عین مطابق ثابت کیا جائے۔ الانصاری اور عبد الولید انہیں ایک مخلص مسلمان سمجھتے ہیں۔ رینان رقمطراز ہے کہ "اس چیز کے ماننے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ابن رشد اسلام کا سچا پیرو تھا۔ خاص طور پر جب ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس مذہب (اسلام) کے بنیادی اصولوں میں عقل کے خلاف کوئی فطری عنصر موجود ہی نہیں۔ اور اس مذہب کی بنیادیں وحدت پر استوار ہیں۔"

ابن رشد اپنے نظریات میں بنیادی طور پر فارابی اور ابن سینا سے متفق ہیں۔ اختلافات صرف فروعی اور جزوی ہیں۔ انہوں نے کہیں کہیں غزالی کی اس تنقید سے اتفاق کیا ہے جو غزالی نے فلسفے اور فلسفیوں کے خلاف کی ہے۔ اور اس کے بعد غزالی کی تنقید کے پیش نظر فلسفیانہ نظریات پر نظر ثانی بھی کی ہے اور اس طرح کہیں کہیں فارابی اور ابن سینا سے اختلاف کی راہیں نکل آئی ہیں۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے یہ اختلافات بنیادی نہیں صرف فروعی ہیں۔

ابن رشد کا اثر

ابن رشد کی مخالفت صرف مسلم متکلمین نے ہی نہ کی بلکہ بعد میں عیسائی پادریوں نے بھی کی۔ اس کے جس نظریہ کی سب سے زیادہ مخالفت کی گئی وہ مادے کا ابدی ہونے کا نظریہ ہے۔ شروع شروع میں مخالفین کا خاصا زور رہا۔ لیکن اس کی صداقت کہ وہ مفاہیم اور مادہ اور کائنات کے ابدی ہونے کے نظریات نے علمی حضرات کو بہت متاثر کیا۔ آہستہ آہستہ ابن رشد کے نظریات یورپ کے علمی حلقوں میں مقبول ہوتے گئے اور پندرھویں اور سولھویں صدی کے یورپ کے ذہن پر بہت حد تک ابن رشد کی حکمرانی تھی۔

مسلمانوں کے عہد میں ہسپانیہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ وہ مذہبی طور پر آزاد تھے اور علمی طور پر مسلمانوں سے کسی طرح پیچھے نہ تھے۔ علمی درسگاہوں میں بطور متعلم اور مدرس ان کی تعداد بہت کافی تھی۔ لیکن یعقوب المنصور کے زمانے میں بہت سے یہودی جلاوطن کر دیئے گئے۔ وہ ہسپانیہ کے عیسائی علاقہ۔ فرانس۔ سسلی۔ اور اطالیہ چلے گئے۔ الفونسو ششم نے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور اس کے بعد اس کے جانشین فرڈیننڈ نے بھی۔ ان یہودیوں نے مسلم مفکرین کی تصنیفات کے ترجمے کئے اور ان کے نظریات سے یورپ کو روشناس کرایا۔ لیکن انہیں یہاں بھی کچھ زیادہ عرصے تک آرام نہ مل سکا۔ عیسائی امرا ان کی دولت کے متمنی اور پوپ انوسینٹ سوم ان کے خیالات کا دشمن۔ جس کے حکم سے ہزاروں بلکہ لاکھوں یہودی تہ تیغ کر دیئے گئے۔ یہودی یہاں سے بھاگے اور یورپ کے اور دوسرے ممالک میں پناہ لی۔ جہاں جہاں یہ گئے تراجم اور تصانیف کے ذریعے مسلم مفکرین خاص طور پر فارابی۔ ابن سینا اور ابن رشد کے نظریات کی اشاعت کرتے رہے۔ تیرھویں صدی کے شروع ہی میں ابن رشد کے نظریات یورپ میں اس حد تک عام اور مقبول ہو گئے تھے کہ انہیں روکنے کے لیے پادریوں کو عملی اقدامات کرنے پڑے۔ ۱۲۱۰ء میں پیرس کی کونسل نے ارسطو اور ابن رشد کی تمام تصانیف کو پڑھنا اور پڑھانا ممنوع قرار دیدیا۔ ۱۲۱۵ء میں پیرس کے کارڈینل لیگٹ روبرٹ نے اس حکم کی تصدیق کی۔ اور پھر ۱۲۳۱ء اور ۱۲۴۵ء میں پوپ نے۔ ۱۲۶۳ء میں اربن چہارم نے یہی حکم جاری کیا۔ ۱۲۶۹ء میں پیرس کے بشپ نے ابن رشد کے تیرہ نظریات کو مردود قرار دیا۔ لیکن ان تمام اقدامات کے باوجود ابن رشد کی مقبولیت دن بدن بڑھتی رہی۔ ۱۲۱۵ء میں فریڈرک ثانی روم کا شہنشاہ بنا۔ وہ مسلم مفکرین اور خاص طور پر ابن رشد سے بہت متاثر تھا۔ اس نے ۱۲۲۴ء میں نیپلز کی یونیورسٹی قائم کی۔ یہ یونیورسٹی مسلم علوم اور فلسفہ کا زبردست مرکز بنی۔ یہاں عربی تصانیف کے لاطینی اور عبرانی زبانوں میں ترجمے ہوتے اور تمام یورپ میں پھیل گئے۔ اسی طرح طالیدہ بھی تراجم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ غرض تیرھویں صدی کے وسط تک ابن رشد کی تقریباً تمام تصانیف لاطینی اور عبرانی زبان میں منتقل ہو گئی تھیں۔ بولونا اور پاڈوو کی یونیورسٹیاں ابن رشد کے نظریات کے خاص مراکز تھیں۔ ہٹی رقمطراز ہے کہ "بارہویں صدی کے اختتام سے لے کر سولھویں صدی تک ابن رشد کے نظریات مقبول رہے۔ مذہبی لوگوں کی مخالفت کے باوجود پہلے ہسپانیہ کے مسلمانوں پر ان نظریات کا زبردست اثر ہوا اور بعد میں عیسائیوں پر۔" اس کی تصانیف قابل اعتراض

چیزیں نکالنے کے بعد پیرس کی یونیورسٹی اور دوسرے علمی مراکز میں نصاب میں داخل تھیں۔ رینان کے خیال میں ابن رشد کے نظریات سولھویں صدی میں اطالیہ میں مقبول ترین نظریات تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ ابن رشد کے نظریات اور خیالات نے اطالیہ اور یورپ میں نشاۃ الثانیہ لانے میں کافی اہم حصہ لیا۔ کولٹن کے خیال میں ابن رشد کا اثر عہد وسطیٰ میں اسی قدر تھا جتنا کہ ہمارے زمانے میں ڈارون کا۔ لیکن ایم۔ ایم شریف کے بقول اگر ڈارون کے نظریات ابھی تین صدیوں تک اور اسی طرح مقبول رہیں تب کہیں ابن رشد اور ڈارون کے اثر کو ایک دوسرے کے برابر قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام اور مذاہب عالم

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی

یہ اسلام اور دوسرے مذاہب کا تقابلی مطالعہ ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ اسلام انسان کے مذہبی ارتقاء کی فیصلہ کن منزل ہے اور اس نے تمام مذاہب کے حقائق کو یکجا اپنی وحدت میں سمو لیا ہے۔ قیمت چار روپے ۸ آنے

مآثر لاہور

مصنفہ سید ہاشمی فرید آبادی

یہ پاکستان کے ثقافتی مرکز لاہور کی قدیم تاریخ ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں تاریخی حالات کے ساتھ قدیم لاہور کے والیوں کا تذکرہ ہے اور دوسرے حصے میں مشائخ، علماء، مصنفین اور شعراء کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت چھ روپے آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور